۷

دینی مسائل میں اختلافات

اسباب اور ان کا حل

واقیموا الوزن
بالقسط
ولا تخسروا المیزان

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون (۷)

دینی مسائل میں اختلافات
اسباب اور ان کا حل

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

دینی مسائل میں اختلافات، اسباب اور ان کا حل

تالیف: ڈاکٹر شہزاد اقبال شام

نظر ثانی و راہ نمائی:
i- جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان
ii- پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن (مرحوم)
iii- پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی

نگران مطالعہ اسلامی قانون کورس: راجہ محمد منیر

نگران منشورات: ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین

ناشر: شریعہ اکیڈمی،
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مطبع: ادارۂ تحقیقات اسلامی (پریس)
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

طبع: ہفتم

سال اشاعت: دسمبر ۲۰۰۷ء

قیمت:

فہرست مضامین

	صفحہ
۱۔ تمہید	۱
۲۔ اختلاف کے مظاہر ہماری روز مرہ زندگی میں	۲
۳۔ اختلافات کی اقسام	۴
(۱)۔ فقہی اختلافات	۴
ا۔ عقائد میں	۴
ب۔ عبادات میں	۶
ج۔ معاملات میں	۸
(۲)۔ تاریخ میں اختلافات	۱۱
(۳)۔ رسم و رواج میں اختلافات	۱۲
۴۔ اختلافات کے اسباب	۱۴
(۱)۔ منطقی اسباب	۱۴
ا۔ قرآن و سنت کے مفہوم میں اختلاف کی گنجائش	۱۴
ب۔ سنت کے علم میں کمی بیشی	۱۵
ج۔ انسانی فہم	۱۶
د۔ وقت کی تبدیلی	۱۷
و۔ مقام کی تبدیلی	۱۷
ھ۔ حالات میں تبدیلی	۱۸
ر۔ انسانی مزاج اور ذوق میں تنوع	۱۸
(۲)۔ غیر منطقی اسباب	۲۰
ا۔ جہالت	۲۰

ب۔ رابطے کا فقدان ۲۱
ج۔ تقلید محض ۲۱
د۔ دوسروں کو نہ سننے کا رجحان ۲۲
و۔ ترجیحات کا واضح نہ ہونا ۲۳
ھ۔ غیر اسلامی افکار و نظریات ۲۴
۵۔ تدارک کی صورتیں ۲۵
(۱)۔ عربی زبان کا علم ۲۶
(۲)۔ قرآن و سنت کا مطالعہ ۲۶
(۳)۔ تعلیمات اسلامی پر عمل ۲۷
۶۔ کیا تمام اختلافات کا خاتمہ ممکن ہے؟ ۲۸
۷۔ حواشی و حوالہ جات ۲۹
۸۔ مصادر و مراجع ۲۹

پیش لفظ

اسلام کی طویل فکری اور عملی تاریخ میں مسلم اہل علم و دانش کو گوناگوں چیلنجوں اور مبارزتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دور تابعین میں وضع حدیث اور قضاء و قدر کے بارہ میں شبہات سے لے کر دور جدید کے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے استیلاء تک کا یہ سارا زمانہ ایک مسلسل فکری جہاد اور علمی دفاع سے عبارت ہے۔ اس پورے دور میں اہل علم نے نہ صرف حالات زمانہ کو پیش نظر رکھا' بلکہ ہر نئی فکری مبارزت کے جواب میں اکثر و بیشتر انہی ہتھیاروں اور وسائل سے کام لیا جن سے کام لے کر اسلام پر اعتراضات کئے گئے۔ اس کی کامیاب ترین مثال یونانی علوم و فنون سے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ ابتدائی سو' سوا سو سال کے عبوری دور کے بعد بھی مسلمان مفکرین نے یونانی منطق اور فلسفہ سے اسلامی عقائد کی تفسیر و توضیح کی اور اسلامی تعلیمات کی تبیین و تفہیم کا وہ کام لینا شروع کر دیا تھا جس کے عجیب و غریب نمونے امام غزالی' امام رازی' امام شاطبی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

دور جدید میں اس کام کی اہمیت اور پیچیدگی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے مبارزت صرف ایک میدان میں تھی' یعنی فلسفہ' منطق اور عقلیات کا میدان۔ اب یہ مبارزت زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ فلسفہ اور انسانی علوم سے لے کر روزمرہ زندگی کے مظاہر تک' آج ہر قدم پر دنیائے اسلام کو بیرونی اور خارجی قوتوں سے قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات میں یہ نبرد آزمائی نسبتاً" زیادہ اہم اور فوری نوعیت کی ہے اور حالات کا تقاضا ہے کہ ملت مسلمہ ان معاملات کے بارہ میں فوری طور پر اپنے کو صف آراء کرے اور اپنے وسائل و اسباب کو کماحقہ استعمال کرے۔ ان اہم اور فوری امور میں ایک انتہائی اہم مسئلہ قانونی' دستوری اور عدالتی معاملات کا ہے۔ اس میدان میں مغربی تصورات و افکار کے تسلط اور غلبہ نے ایک بڑے طبقہ کے ذہن کو متاثر بلکہ ماؤف کر دیا ہے کہ یہ طبقہ اسلام کے تصورات و نظریات کو سمجھنے میں اس طرح مشکل محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی بھی مغربی دانشور۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف ایک شدید رد عمل اٹھتا نظر آرہا ہے جو اگر مثبت اور تعمیری خطوط پر آگے بڑھا تو ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی رد عمل کا مظہر وہ دلی آرزو ہے جو اسلام کے تصور عدل و احسان پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسلامی تصورات کے عملی نفاذ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اٹھتی نظر آتی ہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے انتظار میں آج لاکھوں گردنیں کٹ رہی ہیں' لاکھوں گھر اجڑ رہے ہیں' کتنے ہیں جو گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور کروڑوں دل ہیں جو اس دیرینہ خواب کی تعبیر کی تمنا

میں دھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر اس قدر آسان نہیں ہے جتنا ہم میں سے بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ایک طویل سفر کی متقاضی ہے۔ ایسا طویل سفر جس کی پہلی منزل' ایک فکری تبدیلی' ایک تعلیمی تحریک اور ایک ذہنی انقلاب سے عبارت ہے ۔ جب تک اسلام کے تصورات و تعلیمات پر گہرا ایمان رکھنے والی' دور جدید میں ان کو روبہ عمل لانے کے جذبہ سے سرشار اور اس راہ کی مشکلات سے کلی طور پر آگاہی اور ادراک رکھنے والی نسل وجود میں نہیں آئے گی اس وقت تک اس خواب کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس پہلی منزل کا پہلا قدم اسلامی فقہ اور قانون کی کماحقہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں ضروری مردان کار کی تیاری کا کام ہے۔ ایسے مردان کار جو اسلامی فقہ کو اس کے بنیادی ماخذ و مصادر سے براہ راست سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں' جن کو رائج الوقت قانونی' دستوری' اور عدالتی تصورات سے گہری لیکن ناقدانہ واقفیت حاصل ہو' جو شریعت کی حقانیت اور صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں اور دور جدید میں اس کی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا مومنانہ جذبہ رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کی تیاری وقت کی وہ اہم ضرورت ہے جس کو ہماری ملی ترجیحات میں ابھی تک وہ جگہ حاصل نہیں ہوئی جو اس کو ہونی چاہیے تھی۔

بلاشبہ ہمارے بہت سے دینی اداروں اوراسلامی تعلیم کے مراکزمیں فقہ کی تدریس و تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور فقہی موضوعات پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ قطعاً" ناکافی ہے۔ اس تعلیم و تحقیق کاہمارے قانونی نظام اور دستوری اداروں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ملک میں نفاذاسلام کے کام میں پیش رفت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم کی گئی۔ اکیڈمی نے وکلاء اور ارکان عدلیہ کے تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جس کے تحت اردو اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر جدید انداز سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر کتابوں کی اشاعت کے ایک طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ تصنیف و تحقیق اور نشرو اشاعت کے اس طویل منصوبہ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی نے آج سے چند سال قبل ایک شعبہ ایسا بھی قائم کیا جہاں فاصلاتی تعلیم کے اصولوں کے تحت فقہ اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ متواضعانہ پیش کش مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں نعمت اور لامتناہی فضل سے ہماری اس کاوش کو کامیابی سے نوازا اور ہم تین سال کی مختصرمدت میں اس کورس کے ذریعہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے کوئی ڈیڑھ ہزار افراد تک اسلامی قانون اور فقہ کی ایک مربوط اور جامع تصویر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

زیر نظر کورس وکلاء ' طلبہ قانون اور عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہے۔ اس کا دورانیہ ایک سال ہے اور یہ چوبیس

اسباق یا یونٹوں پر مشتمل ہے جن میں فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ہر سبق میں تدریسی مواد کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے کتابوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطالعہ قانون اسلامی کے اس ابتدائی کورس کے بعد چار دوسرے کورس بھی تیار کرائے جارہے ہیں جو فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ہیں۔ ہمارے ان "ایڈوانس کورسز" کی تیاری کا کام جاری ہے اور جلد ہی ہم ان کو بھی شروع کر دیں گے۔

کچھ اس یونٹ کے بارہ میں

اصول فقہ کے چند ابتدائی موضوعات کے تعارف کے بعد فقہی آراء و اجتہادات میں تنوع پر بھی گفتگو ضروری ہے۔ بدقسمتی سے امت مسلمہ کے عوام ہی میں نہیں بہت سے خواص میں بھی اس باب میں بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ فقہی اختلافات کے بارے میں ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اچھا خاصا منفی تصور پایا جاتا ہے۔ دوسری کئی وجوہ کے ساتھ ساتھ اس کی ایک بڑی وجہ نازک فقہی موضوعات پر غیر متعلق اور غیر متخصص حضرات کی خامہ فرسائی بھی ہے۔ متقدمین اور متاخرین فقہاء نے جب بھی فقہی اختلافات سے بحث کی تو انہوں نے ہمیشہ ایسا اسلوب اختیار کیا جو خالص علمی اور معروضی تھا' ان مباحث کا ان کے ذہن میں واضح تصور اور مقصد تھا جسے عہد جدید کی قانونی اصطلاح میں تقابلی مطالعہ قانون (Comparitive Study of Law) کہا جا سکتا ہے۔ یہ اصطلاح اپنی موجودہ شکل میں زیادہ قدیم نہیں ہے لیکن اس کے تمام مفاہیم ان مباحث میں موجود ہیں جہاں فقہائے اسلام نے فقہی اختلافات سے بحث کی ہے۔

یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ فقہی اختلاف یا اختلاف الفقہاء کے مباحث سے نہ ماضی میں کبھی وحدت امت پر کوئی حرف آیا اور نہ ان شاء اللہ آج آ سکتا ہے' اگر اس کو خالص علمی حدود و آداب کے اندر رکھا جائے۔ یہ عملی نوعیت کا ایک تقابلی مطالعہ ہے۔ اس سے نہ کوئی فکری الجھاؤ پیدا ہوتا ہے اور نہ اجتماعی مسائل پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ بعض حضرات کا تصور ہے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کی نیت سے اختلاف الفقہاء کے موضوع پر زیر نظر یونٹ احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔ اس یونٹ کا بنیادی مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ بنیادی دینی مسائل میں تو اختلافات موجود ہی نہیں ہیں۔ فقہی احکام و اجتہادات میں جہاں جہاں اختلاف نظر آتا ہے وہ فقہاء کے تقابلی مطالعہ اور حالات و زمانہ کی رعایت کی وجہ سے ہے۔ اور معاملہ جب تقابل قانون کا ہو تو مسئلہ زیر بحث کے تمام پہلوؤں پر بحث کرنا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ مختلف آراء کا اصل پس منظر اور سلسلہ استدلال نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

اس یونٹ میں سب سے پہلے فقہی اختلافات کو تین بڑی اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر ان کے عوامل و اسباب کو

ایک ایک کر کے واضح کیا گیا ہے - آخر میں بعض غیر منطقی نوعیت کے عوامل و اسباب کے تدارک کی چند ممکنہ صورتیں تجویز کی گئی ہیں - فقہ اسلامی کے کسی بھی مکتب فکر کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے - فقہی موضوعات کی مناسب درجہ بندی کے بعد اولاً" متفق علیہ آراء کا ذکر کیا جاتا ہے' اس کے بعد جزئیات میں اگر اختلاف ہو تو اسے بڑی خدا ترسی ' احساس ذمہ داری اور للہیت کے جذبہ کے ساتھ بیان کر دیا جاتا ہے جس کا مقصد سوائے موضوع کے ساتھ انصاف کے اور کچھ نہیں ہوتا - اختلاف الفقہاء کے موضوع پر صدر اسلام کے فقہاء کی تحریروں سے ایک نمایاں بات یہ سامنے آتی ہے کہ ان کے ہاں دوسروں کی آراء کو بھی پوری پوری پذیرائی حاصل ہوتی تھی اور طالبان علم کو کسی خاص مسئلہ پر تمام موافق اور مخالف آراء اور ان کے دلائل سب یکجا مل جاتے تھے - بعد میں آنے والے اس کی روشنی میں نئے نئے نتائج نکالتے اور اس طرح افکار و نظریات کی بوقلمونی کے باعث فکر انسانی کی نشوونما ہوتی رہتی - لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ فقہی اجتہادات میں تنوع اور اختلاف رائے کسی افتراق کا سبب نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ فقہی مسائل کو کم علم اور غیر متخصص اصحاب نے بازیچہ اطفال بنا ڈالا ہے - رہے اہل علم تو وہ صدیوں سے ان فقہی کتب کا مطالعہ کرتے چلے آ رہے ہیں انھیں کبھی کوئی الجھن محسوس نہیں ہوئی -

آج کل قانون سازی کے میدان میں قریب قریب پوری دنیائے اسلام میں یہ رجحان بڑی شدت سے سامنے آ رہا ہے کہ جدید مسلم مملکتوں میں ریاستی قانون سازی کے لیے کوئی ایک فقہی مسلک اختیار کرنے کی بجائے مختلف اجتہادات اور فقہی آراء کو سامنے رکھ کر قانون سازی کی جائے - اس رجحان کے حسن و قبح پر دو آراء ہو سکتی ہیں لیکن اس پر غور و فکر کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا - زیر نظر یونٹ اس غور و فکر میں ان شاء اللہ ممد و معاون ثابت ہو گا-

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور اہل علم کے حلقہ میں اسے پذیرائی بخشے -

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل ،شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ' اسلام آباد

۶ جمادی الآخر ۱۴۱۷ھ
۲۰ اکتوبر ۱۹۹۶ء

تمہید

ہم عام طور پر اس معاشرتی رویے کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جب بھی اسلام' اسلامی قانون' اسلامی نظام زندگی یا اسلام بطور دین ریاست کا ذکر ہو' گفتگو کا رخ اصل موضوع سے ہٹ کر اختلافات کی طرف ہو جاتا ہے۔ پھر اس طرح سوالات شروع ہو جاتے ہیں کہ کون سا اسلام؟ کس مسلک کا؟ یا کس طبقے کا؟ یا یہ کہ پہلے مولوی کسی ایک اسلام پر متفق ہوں تو پھر غور کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی طرح یہ کہ متفقہ اسلامی شریعت کا وجود چونکہ ممکن نہیں ہے اس لئے جیسے تیسے کاروبار زیست چل رہا ہے' چلنے دیجئے' اسلام وغیرہ کو چھوڑیے نمازیں پڑھنا' روزے رکھنا ذاتی فعل ہے اور بس!

اگر کبھی اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے عوامی دباؤ بڑھ جائے تو اسلامی شریعت کے ناقدین واضح مخالفت کرنے کی بجائے کہتے ہیں کہ اس معاملے میں اختلاف ہے۔ علماء کوئی متفقہ کوشش کریں تو اسلامی شریعت سر آنکھوں پر۔ کیا کیجئے' صاحب! علماء کوئی متفقہ اور نتیجہ خیز چیز سامنے لاتے ہی نہیں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اور چونکہ علماء اس بارے میں ایک دوسرے سے اختلافات رکھتے ہیں اس لئے یہ مسئلہ نہ چھیڑنا ہی بہتر ہے۔

اس طرح کی گفتگو سے بے چارہ عام فرد الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اسلامی نظام کا نفاذ تو واقعی بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن عام آدمی اس سے آگے سوچ بھی نہیں سکتا۔

ذرا آگے ایک تعلیم یافتہ فرد کی طرف آیئے۔ لفظ اختلافات سنتے ہی اس کے ذہن میں منفی سوچوں کی آندھیاں چلنے لگتی ہیں۔ اور اتحاد ملت کے تصور کے بالکل متوازی یہ سوچ سر اٹھاتی ہے کہ فقہی اختلافات کے ہوتے ہوئے امت کا اتحاد شاید ممکن ہی نہیں۔ لوگ جو کہہ رہے ہیں ٹھیک ہی ہو گا۔

ذرا اور آگے آیئے۔ ایک تیسرا رویہ ملتا ہے۔ یہ رویہ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد' قانون دان اور اسلامی علوم سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کا ہے جو یہ تو جانتے ہیں کہ کسی ملک میں دستوری پابندیوں کے اندر رہتے ہوئے' قانون سازی میں اکثریت کا اصول ساری دنیا میں رائج ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ دنیا میں کسی ایسی مملکت کا وجود نہیں ہے جہاں قانون سازی کے لئے مکمل اتفاق رائے کا اصول کارفرما ہو۔ صرف اس حد تک اہتمام ضرور کیا جاتا ہے کہ ملکی دستور کی خلاف ورزی نہ کی جائے اور بنایا جانے والا قانون دستوری تقاضوں سے ہم آہنگ ہو' نہ کہ سب ارکان پارلیمنٹ کے اتفاق رائے کا غماز ہو۔ لیکن ان اصحاب کا ذہن اس طرف کبھی نہیں جاتا کہ یہی اصول اسلامی

شریعت کے لئے کیوں کام نہیں آسکتا اور قرآن و سنت کی دستوری بندشوں کو توڑے بغیر' ملک کی اکثریت کو قابل قبول شریعت مہیا کرنے میں آخر کیا رکاوٹ ہے؟ اس کی بڑی وجہ علوم اسلامیہ سے ناواقفیت ہے۔

چوتھا رویہ ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کا ہے جو سرے سے اس پر ایمان ہی نہیں رکھتے کہ اسلام کوئی قابل عمل نظام ہے۔ ان کے نزدیک یہ بس پوجا پاٹ وغیرہ ہے' جو لوگ پوجا پاٹ کرتے ہیں انہیں کرنے دیں اور معاملات اور قانون سازی وغیرہ خالصتاً" عقل ہی کے ذریعے کی جائے' کتاب و سنت وغیرہ ---نعوذ باللہ --- بے کار ہیں۔ لیکن یہ لوگ اس رائے کا اظہار اپنی اخلاقی کمزوری کے باعث نہیں کرپاتے بلکہ پینترے بدل بدل کر دوسرے زاویوں سے دلائل دیتے رہتے ہیں۔

اس مضمون کے مخاطبین پہلی تین طرح کے لوگ ہیں جن کے بارے میں ہمارا گمان ہے کہ یہ لوگ ہر معقول بات سنتے ہی نہیں سمجھ جائیں تو اسے اپنے ایمان و یقین کا حصہ بھی قرار دیتے ہیں۔ آخری زمرے کے لوگ ہمارے پیش نظر نہیں ہیں۔

اختلافات کے مظاہر ہماری روز مرہ زندگی میں

ذرا اپنی روز مرہ زندگی کا جائزہ لیجئے' ماحول کا مشاہدہ کیجئے' معاشرے پر نظر ڈالئے' انسانی زندگی میں اختلاف ہر سو ملتا ہے اور اسی کی بدولت زندگی میں رنگا رنگی ہے۔ اختلاف بالعموم ایک منفی رویہ سمجھا جاتا ہے مگر دوسرے زاویے سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسی کی بدولت زندگی کی نمو ہوتی ہے۔ ایک گھر کی مثال لیتے ہیں جس میں مختلف افراد کے علیل ہونے پر کیا کیا انسانی رویے سامنے آتے ہیں۔

گھر کے سربراہ جو ایک بزرگ ہیں' اگر کبھی بیمار پڑ جائیں تو اپنی ہی عمر کے کسی بزرگ حکیم سے دوا لینے کے عادی ہیں۔ وہ جدید طریقہ علاج پر ایمان نہیں رکھتے۔ دوا لینے کے بعد طبیب ہی کی بتائی ہوئی احتیاطوں پر عمل کرتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ چند دنوں بعد وہ صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ انہی بزرگ کے بڑے بیٹے جو ماشاء اللہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں' کوئی عارضہ لاحق ہونے کی صورت میں کسی ماہر طبیب (Doctor) کا رخ کرتے ہیں۔ اس کی تجویز کی ہوئی دوائیں کسی دکان سے حاصل کر کے استعمال کرتے ہیں اور چند دنوں بعد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔

ایک قصبے میں اسی طرح کا ایک گھرانہ ہے جس میں خاتون خانہ اپنے بچے کے بیمار پڑنے پر پنساری سے چند جڑی بوٹیاں منگوا کر گھر میں خود دوا تیار کر کے بچے کو دے دیتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ بھی تندرست ہو جاتا ہے۔

ایک اور گھر میں ایک جرمنی پلٹ نوجوان ہیں جو اپنے طبی مسائل کے حل کے لئے کسی ہومیوپیتھک ڈاکٹر کا رخ کرتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بھی صحت یاب ہو جاتے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ ماحول میں علاج کے لئے چار مختلف رویے پائے جاتے ہیں اور چاروں کامیاب ہیں۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علاج ہی وہ قدر مشترک ہے جو اختلاف کے باوجود چاروں رویوں میں پائی جاتی ہے۔ اس تصور کو ذرا محدود کر کے دیکھتے ہیں' اختلاف کا دائرہ اور بھی وسیع ہو جاتا ہے۔ ہم آپ روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ کسی ایک طریقہ علاج کے ماہر کی تجویز کردہ دوائیں اسی طریقہ علاج کا کوئی دوسرا ماہر بند کر دیتا ہے۔ اس کے خیال میں اس بیماری کے لئے وہ دوا سرے سے غلط ہے۔ ایک ڈاکٹر کا خیال ہوتا ہے کہ محض گولیاں استعمال کرنے سے مریض تندرست ہو جائے گا۔ دوسرا اسی مرض میں مبتلا اسی مریض کے لئے انجکشن تجویز کرتا ہے۔ تیسرے کا خیال ہے کہ پہلے لیبارٹری ٹسٹ کروائے جائیں' تبھی کوئی رائے دی جا سکتی ہے۔ ایک اور ڈاکٹر ان سب سے مختلف رائے دیتے ہوئے مریض کے لئے فزیوتھراپی تجویز کرتا ہے۔ علی ہذالقیاس ہم نے دیکھا کہ مرض دور کرنے کے ایک سے زائد طریقے ہیں۔ اور ہر طریقے میں لاتعداد آراء ہیں۔

شریعت اسلامی میں اختلافات کی حقیقت اس سے ذرہ برابر مختلف نہیں ہے۔

خالص سائنسی علوم اور ان کے مظاہر کی طرف آیئے۔ موٹر کار کا انجن تمام دنیا میں ایک ہی اصول پر کام کرتا ہے جس میں معدنی تیل کی مختلف شکلیں استعمال ہوتی ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ انجن کہیں بڑی گاڑی کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے جس میں مسافر سفر کرتے ہیں۔ کہیں باربرداری کے کام آنے والی گاڑی کی ہیئت اختیار کرتا ہے۔ کبھی ایک خاندان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے موٹر کار کی شکل اختیار کرتا ہے اور اسی پر بس نہیں' موٹر کار بھی ہمارے سامنے درجنوں قسم کے نمونوں' رنگوں' جسامتوں اور بناوٹوں میں موجود ہے۔ کیا معاشرے میں ایک ہی قسم کی موٹر کار استعمال نہیں ہو سکتی؟ جواب نفی میں ہے کہ ہر فرد کا ذوق ہی نہیں ضرورت بھی دوسرے سے الگ ہے۔

اسلامی شریعت میں اختلافات کی حقیقت بھی اختصار کے ساتھ بس اتنی ہی ہے جس کو اتحاد امت کے لئے ایک عظیم خطرہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ امت کا اتحاد ماضی میں بھی اختلافات کے ساتھ رہا ہے اور آئندہ بھی ممکن

ہے۔ دراصل اسلامی علوم پر صدیوں کے جمود کے سبب عام آدمی کو نہ اختلافی اسباب کا علم ہے نہ ان کی اہمیت کا احساس ہے اور نہ اختلافات کی صورت میں راستہ نکالنے کا طریقہ معلوم ہے۔

اس مضمون میں ہمارا موضوع انہی اختلافات پر بحث ہے۔

اختلافات کی اقسام

یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہمیں یہ علم ہو کہ اختلافات کی کتنی اقسام ہیں؟ اس کے بعد ہی ہم ان کے اسباب کا کھوج لگا کر اس سے پیدا ہونے والے منفی اثرات زائل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں پر ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس مقالے میں فقہاء کے فنی اختلافات کا تجزیہ ہماری بحث کے دائرے سے باہر ہے۔ ہمارے پیش نظر وہ اصولی اختلافات ہیں جنہیں امت مسلمہ کے اتحاد میں بالعموم رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔

یوں تو ان اختلافات کی تقسیم کئی اعتبار سے کی جا سکتی ہے لیکن یہ سب اقسام تین بڑی قسموں میں تقسیم ہو سکتی ہیں اور باقی تمام انہی کلی اقسام کی فروعات ہیں۔ یہ اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ فقہی اختلافات: جن کی وجہ سے مختلف فقہی مسالک وجود میں آئے۔

۲۔ تاریخی واقعات اور ان کے نتائج میں اختلافات: جن کا دین اسلام سے بہت کم واسطہ ہے۔

۳۔ رسم و رواج میں اختلافات: جن کا دین اسلام سے نہ ہونے کے برابر واسطہ ہے۔

ان تینوں اقسام کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

۱۔ فقہی اختلافات

فقہی اختلافات ہر فقہی باب کے اعتبار سے کم و بیش ہیں جو اس علم کے ماہرین کی گفتگو کا موضوع ہیں لیکن وہ فقہی اختلافات صرف تین قسم کے ہیں جن کی بناء پر امت مسلمہ میں مختلف نقطہ ہائے نظر پیدا ہوئے اور جن کو بنیاد بنا کر ہی اسلامی شریعت کے ناقدین مسلمانوں سے متفقہ شریعت لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۱۔ عقائد میں

عقائد میں سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانا ہے۔ مسلمانوں کے کسی فرقے، مکتب فکر، مسلک یا فقہی مذہب میں کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا کہ اللہ ایک ہے، وہ ہر لحاظ سے یکتا ہے اور اس کی

خدائی میں کوئی کسی لحاظ سے شریک نہیں ہے۔ اللہ کی وحدانیت میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ مسلمانوں کے تمام گروہوں پر ایک نظر دوڑا لیجئے اس بارے میں مکمل یکسوئی ملے گی۔

اللہ کے رسولوں پر ایمان لانے کے بارے میں بھی مسلمانوں میں کامل ہم آہنگی ہے۔ اللہ کے تمام رسولوں پر تمام مسلمان غیر متزلزل ایمان رکھتے ہیں۔ رسالت کے کچھ پہلوؤں پر یقیناً ایک سے زائد آراء موجود ہیں۔ اور یہ آراء بھی زیادہ تر کلامی نوعیت کی ہیں جس میں ہر ایک کی پشت پر دلائل موجود ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے علماء کے حلقوں کی زینت بننے والے مسائل عام فرد تک پہنچ گئے ہیں۔ تکدر کی یہ فضا علمی حلقوں سے نکل کر منبر رسول پر جمعہ کے خطبوں کے ذریعے مسجد کے پاکیزہ ماحول کو خراب کرنے کا سبب بن گئی ہے۔ حالانکہ فنی امور اہل فن تک رہیں تو اسی میں بہتری ہوتی ہے۔ جس طرح اعلیٰ عدالتوں کے جج کسی قانونی نکتہ پر اپنی رائے دیتے ہیں، اہل علم اس پر نقد و جرح کرتے ہیں، تحقیقی مجلّات میں اس پر بحث ہوتی ہے، مذاکرے منعقد کروائے جاتے ہیں۔ اور یوں معاملہ اہل علم ہی کی حد تک رہتا ہے۔ عوام کا اس سے واسطہ نہیں ہوتا۔

ذرا تصور کیجئے کہ اگر ایک جج اپنی رائے کو عوام کے ایک انبوہ کثیر میں جملہ دلائل و براہین کے ساتھ پیش کر کے انہیں اپنے ساتھ ملا لے۔ پھر اپنے مخالف پر شخصی تنقید کرے اور جواباً کوئی دوسرا جج بھی یہی عمل دہرائے تو کیا اس معاشرے میں عدل و انصاف کی بقاء ممکن ہے؟ اس طرح عدالتی نظام تلپٹ تو کیا جا سکتا ہے کوئی مفید نتیجہ حاصل کرنا ممکن نہیں۔

عقائد کے باب میں بعض افراد نے یہی کچھ کیا۔ انہوں نے پہلے تو ایسے تصورات کو مسلمانوں کے عقائد کا لازمہ ٹھہرایا جن کا تقاضا اسلام نے کبھی نہیں کیا۔ یہ تصورات عقائد، عبادات، معاملات غرض یہ کہ عام فرد کی زندگی سے متعلق نہ تھے۔ اور نہ آخرت میں ان کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ یہاں تک بھی شاید کوئی گنجائش نکال لی جاتی اگر یہ تصورات علماء کی مجالس ہی تک محدود رہتے لیکن انتہائی غیر اہم مسائل ایسی حیثیت اختیار کر گئے جیسے یہی اسلام ہوں، انہی پر فوز و فلاح کا مدار ہو، یہی وسیلہ نجات اخروی ہوں، اور یہی اللہ کی پسند ناپسند کا

مقیاس ہوں۔

رسالت سے متعلق عقیدہ کا یہ ایک نہایت ہی معمولی سا گوشہ ہے جس پر ایک سے زائد آراء ہو سکتی ہیں۔ ورنہ توحید، رسالت، فرشتوں پر ایمان، اللہ کی کتابوں پر ایمان، حشر نشر اور جزا و سزا وہ شعبے ہیں جن پر تمام مسلمانوں کا مکمل اتفاق ہے۔

ب - عبادات میں

عبادات میں سر فہرست نماز ہے۔ جس کے لاتعداد مسائل میں سے صرف چند فروعی اختلافات ہیں جن کی حیثیت اگر آٹے میں نمک کے برابر ہوتی تو شاید کہا جا سکتا تھا کہ ان کی وجہ سے امت میں انتشار کی نشاندہی ممکن ہے۔ لیکن یہ اختلافی نکات اس قدر معمولی ہیں کہ اسلام کی باقی تعلیمات کے مقابلہ میں ان کا تذکرہ بھی سعی لا حاصل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نماز میں وہ امور بے حد زیادہ ہیں جن پر امت کا اتفاق ہے اور اختلافی امور نہ ہونے کے برابر ہیں۔

نماز کے آغاز سے آخر تک ہمیں کوئی ایسا اختلاف نہیں ملتا جس کی بنیاد پر کسی فقہی یا گروہی مسلک کی عمارت تعمیر کی جا سکے۔ نماز کے ارکان، شرائط، ادا کرنے کا طریقہ اور بہت سے دوسرے امور مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر میں ایک جیسے ہیں۔ نماز کے اوقات، نماز میں پڑھے جانے والے کلمات، رکعتوں کی تعداد، رکوع و سجود کی تعداد، ثناء، فاتحہ، تشہد اور نماز کی ساری عمارت تمام مسلمانوں کے نزدیک ایک ہی ہے۔ تمام مسلمان اس امر پر بھی متفق ہیں کہ بالغ مسلمان مرد کی نماز بغیر کسی مضبوط شرعی عذر کے گھر پر ادا نہیں ہو سکتی۔ ہر مکتب فکر نماز کے لئے وضو کو شرط قرار دیتا ہے۔ آپ کو آج تک کسی مسلمان سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا ہو گا جس کے نزدیک مسواک کی اہمیت وہ نہ ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت میں ہمیں بتائی ہے۔ کب عورت کے لئے نماز میں رخصت ہے؟ اس امر میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بچے کے لئے نماز کب مستحسن ہے؟ اور کب فرض ہوتی ہے؟ مسجد کے اندر نمازیوں کی ترتیب، جیسے بالغ مرد پہلی صفوں میں، پھر عورتوں اور بچوں کی صفیں، پہلی رکعت میں نماز میں

شریک نہ ہو سکنے والوں کے لئے نماز ادا کرنے کا طریقہ' غرض یہ کہ تمام اہم مسائل پر امت میں مکمل اتحاد ہے۔ راسخ العقیدہ مسلمان خواہ استوائی خطے میں رہتے ہوں' چاہے انہیں اس برفانی علاقے میں رہنا پڑے جہاں سورج چند گھنٹوں کے لئے طلوع ہوتا ہو' اپنی نماز کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں۔ وہ ہر وقت اس فکر میں غلطاں رہتے ہیں کہ ان کی نماز عین اسی طریقے پر ہو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی یا ادا کرنے کی ہدایت فرمائی۔

نمازوں کی تعداد' جمعہ' عیدین حتیٰ کہ ان کے ناموں میں بھی مسلمانوں کے درمیان ہمیں کوئی اختلاف نہیں ملتا۔

دوسری طرف اختلافی امور دیکھئے اتنے ہلکے اور بے وقعت ہیں کہ ان کا ذکر بھی بے محل ہے۔ لیکن بعض اسباب کے باعث یہ اتنے نمایاں ہو گئے ہیں کہ اصل نماز کی چمک دمک ماند پڑ گئی ہے۔ حالانکہ ذرا غور کرنے سے ہر صاحب بصیرت یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ نماز میں اختلافی امور ایسے ہیں جو صرف ایک فرد سے متعلق ہیں۔ وہ اپنی نماز جس طرح چاہے ادا کر سکتا ہے اور کوئی دوسرا مسلمان اس سے متاثر نہیں ہوتا۔

جیسے ایک مکتب فکر کا خیال ہے کہ نماز با جماعت کی صورت میں مقتدی سورۃ فاتحہ لازماً" پڑھے۔ دوسرے گروہ کا خیال اس کے برعکس ہے۔ ذرا غور سے پتہ چل سکتا ہے کہ ہر دو طریقے ایک فرد واحد کی نماز کے بارے میں ہیں۔ جو شخص سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہے وہ پڑھ لے۔ دوسرے کسی کو تو اس کا علم ہی نہیں ہو سکتا کہ اس نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ ادا کی بھی ہے یا نہیں۔ دونوں طریقوں کے اپنے اپنے دلائل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل کرنے سے نہیں روکا جا سکتا۔

اسی طرح نماز باجماعت کی صورت میں سورہ فاتحہ کے اختتام پر مقتدی کا بلند آواز سے آمین کہنا یا یہ کلمہ آہستگی سے ادا کرنا' سفر کی حالت میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو ملا کر پڑھنا یا تراویح کی تعداد میں کمی بیشی کرنا' ایسے اختلافات نہیں ہیں کہ ان کی وجہ

سے کسی شخص کے لئے مساجد میں اپنے مسلک پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے۔

نماز کے بارے میں یہ اختلافات ایسے ہیں جیسے کسی بڑی خوشنما اور عالی شان عمارت کے تعمیر ہونے پر اس کے مکینوں میں یہ اختلاف ہو کہ دروازوں کا رنگ کیسا ہو؟ کمروں میں بجلی کے گول قمقمے نصب کئے جائیں یا ہر کمرے میں فانوس لٹکایا جائے؟ صحن میں پھولوں کے تختے ہوں یا پھل دار پودے؟ مکان کی چار دیواری پختہ ہو یا پودوں کی باڑ کے ذریعے سے ہو؟ ایک مکان کے بارے میں اس کے مکینوں میں ان اختلافی امور پر کبھی سر پھٹول نہیں ہوتی اور نہ اس بنا پر مکان کے وجود سے انکار ممکن ہے۔

نماز میں اختلافی امور کی نوعیت بھی کم و بیش کچھ ایسی ہی ہے جس کے بارے میں لا تعداد افسانے گھڑ لئے گئے ہیں۔ یہ اختلافات کیوں ہیں؟ ان کی وجوہ اختلافات کے اسباب کی ذیل میں بیان کی جائیں گی۔

ج - معاملات میں

فقہی اختلافات کی یہ تیسری قسم الحمدللہ اب تک اہل علم کے حلقوں تک محدود ہے۔ عوام تک یہ معاملات ابھی نہیں پہنچے۔ اس کی ایک بڑی وجہ شاید یہ ہو کہ غیر ملکی تسلط کے باعث اسلام فرد کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ لہٰذا گفتگو کا موضوع بھی وہی مسائل ہیں جن کا مشاہدہ ایک عام مسلمان اپنی روزمرہ کی زندگی میں کرتا ہے۔ یا دوسری وجوہ کے باعث اسے محراب و منبر سے سننا پڑتے ہیں۔ معاملات سے متعلق بیشتر امور، اجتماعی اور ریاستی دائرے میں آتے ہیں جن کی جب تک تنفیذ نہ ہو، ان کی خوبیاں سامنے نہیں آسکتیں۔ معاملات کے بعض گوشے ایسے ہیں جو اختلاف کے باوجود مسلمان امت میں رائج ہیں۔ ان پر کبھی کوئی مناظرہ نہیں ہوا۔ ان کی بنیاد پر تکفیر کے فتوے جاری نہیں ہوئے۔ مشکل کی صورت میں فقہاء دوسرے مکتب فکر سے اختلاف رکھتے ہوئے بھی اس کی مناسب رائے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اپنے امام کی رائے کو ترک کر دیا کرتے ہیں۔

فقہ کی کتب کے مطالعہ سے یہ خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ اسلامی قانون اور نظام حیات کے

بارے میں فقہاء کے درمیان اتنی خیرسگالی کی فضا ملتی ہے کہ نو وارد شخص اپنے آپ کو ایک بالکل اجنبی اور انوکھی دنیا میں پاتا ہے جہاں اختلاف تو موجود ہیں لیکن یہ اختلافات نقطہ نظر کے ہیں جہاں دینی اصولوں پر امت کے تمام فقہاء میں کامل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ کسی جزوی مسئلہ میں اختلاف ہونے کی صورت میں بڑی خدا ترسی، بڑی جرات اور بڑی حکمت کے ساتھ مناسب ترین رائے اختیار کر کے فتویٰ دے دیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں یوں لگتا ہے کہ گویا خیرسگالی ہی خیر سگالی ہے۔ یہاں یہ تصور نہیں ملتا کہ کسی کم اہمیت کے مسئلہ کو دردِ سر بنایا جائے۔ حالانکہ ان میں الجھ کر دوسرے اہم مسائل پس پشت رہ جاتے ہیں۔ سمندر کی سطح کا مشاہدہ کیجئے، تلون، ہیجان، شور، تکدر، تموج، ٹوٹ پھوٹ اور نتیجہ؟ خس و خاشاک! اسی سمندر کی تہہ کا تصور کیجئے، سکون، خاموشی، ٹھہراؤ، سناٹا، لہروں کا عدم وجود اور نتیجہ؟ بیش قیمت موتی سمندر کی تہہ ہی سے حاصل ہوتے ہیں!

اسلام کے بحرِ بے کراں کا بھی کم و بیش یہی حال ہے۔ سطحی منظر پر جدل و مناظرہ، تکفیر، سر پھٹول، بے بصیرت انا، کم علمی اور کم فہمی کے مظاہر دیکھے جا سکتے ہیں۔ دوسری طرف قرآن و سنت کا براہ راست مطالعہ کر کے دیکھئے، فہم قرآن حاصل کیجئے، سنت کا علم حاصل کیجئے، ڈاکٹر کے نسخے کو سمجھے بغیر پڑھنے کی بجائے قرآن کی محض تلاوت نہ کیجئے، اس کے معانی پر غور کیجئے، آپ دیکھیں گے کہ یہاں وہ اسلام نہیں ہے جو ہمیں ورثہ میں ملا ہے۔ یہاں تو ہر جملے، ہر لفظ اور ہر حرف سے حکمت و دانش کے اسرار کھلتے جاتے ہیں۔ آدمی سوچتا ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے مسلمان آخر کیوں عقل محض کا بندہ بے دام بن کر رہ گیا؟ وہ کیوں ملحدین اور زنادقہ کے افکار سے اپنی خالص فکر کو آلودہ کرتا ہے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ مسلمان دانشور کبھی دنیا کے ایک نظام کی طرف دیکھتے ہیں؟ اور کبھی کسی دوسرے نظام کی طرف! پھر جب یہ نظام دنیا کے سیاسی منظر سے معدوم ہو جاتے ہیں، ان کے ماننے والے ختم ہو جاتے ہیں، تو نا سمجھ مسلمان دانشور پھر کسی نئے چاند کو پوجنے کے لئے سامنے لاتے ہیں۔ پھر وہ بھی غروب ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ تمام تجربات حاصل کرنے کے باوجود کسی کی نظر ادھر کیوں نہیں جاتی کہ:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

ہر چیز جو اس (زمین) پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات باقی رہنے والی ہے۔ (رحمٰن ' ۵۵: ۲۶-۲۷)

ایک مثال کے ذریعے واضح ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ہر فقہی مسلک کے اپنے اندر بھی اختلافات ہیں جو کبھی نزاع کا باعث نہیں بنے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک قابل کاشت زمین بٹائی پر دینا جائز نہیں(۱) لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مزارعت کے بارے میں حنفی مکتب فکر کی پوری اسکیم اس رائے سے ہٹ کر ہے۔ حنفی فکر کے امام ابو حنیفہ کی اس رائے کو احناف میں سے کسی نے بھی نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ فتویٰ امام ابویوسف اور امام محمد کے قول پر ہے(۲) جن کے خیال میں زمین بٹائی پر کاشت کے لئے کسی دوسرے کو دینا جائز ہے۔

اس اختلاف نے نہ تو امام ابوحنیفہ کی توقیر میں کمی کی ہے اور نہ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے فقہی مرتبے کو اس وجہ سے امام ابوحنیفہ سے بلند کیا ہے کہ قبول عام ان کی رائے کو ہوا ہے۔ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس معمولی اختلاف کی وجہ سے کسی صاحب علم نے کوئی نیا مکتب فکر قائم کیا ہو۔ امام ابوحنیفہ اس کے باوجود حنفی مسلک کے بانی ہی قرار پائے اور اختلاف کرنے والے بھی انہی کے پیروکار شمار کئے جاتے ہیں۔

اسی طرح کسی شخص کے مفقودالخبر ہونے پر اس کی بیوی کے لئے انتظار کی جو مدت حنفی مکتب فکر نے تجویز کی بعد میں آنے والے علماء احناف نے اس کو قبول نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں علمائے احناف کے فتاویٰ مالکی مکتب فکر کو سامنے رکھ کر دیئے گئے ہیں۔ فتویٰ دینے کے بعد بھی وہ اصحاب احناف ہی کہلاتے رہے۔ کسی دوسرے حنفی نے انہیں "دائرہ احناف" سے خارج نہیں کیا۔

یہ سمندر کی تہہ کا حال ہے۔ یہ اس قسم کے اختلاف ہیں جن کو ہم اپنی روز مرہ زندگی میں دیکھتے ہیں جو دو معالجوں میں ہو سکتے ہیں' اور عدالتوں کے ججوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن معالجوں کے اختلافات اور عدالتی فیصلوں میں ججوں کی اختلافی آراء کی وجہ سے طب اور مروجہ نظام عدل کو آج تک کسی نے ہدف تنقید نہیں بنایا لیکن دینی معاملات میں اختلافات کا نام سنتے ہی لوگ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں اور دین سے محبت کی وجہ سے پریشان ہو جاتے ہیں۔

۲- تاریخ میں اختلافات

اختلاف کی دوسری بڑی قسم اسلامی تاریخ کے بعض واقعات اور ان کے نتائج کے بارے میں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ تاریخ کے ایک بہت بڑے حصے پر تمام مسلمانوں کا کامل اتفاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، ان کا عرصہ نبوت، ان کی زندگی، ہجرت، مدنی زندگی، غزوات، فتوحات، خلفائے راشدین کا عرصہ خلافت، ان کا طرز زندگی، خلافت راشدہ میں جنگیں، ان کے نتائج اور دوسرے لاتعداد تاریخی واقعات پر مسلمانوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی موجود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تاریخی واقعات یا شخصیات کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر مسلمانوں کے کسی غیر اہم ترین مکتب فکر کے نزدیک بھی ایمان یا عقیدہ کا حصہ نہیں ہیں۔ ایمان مجمل اور مفصل کی عبارت پر غور کر لیجئے، کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کی عبارت کی کوئی بھی تشریح کر لیجئے، کسی تاریخی واقعہ پر ایک خاص انداز میں ایمان لانا مسلمانوں کے ایمان میں قطعاً" شامل نہیں ہے۔ چہ جائے کہ اس کی بنیاد پر کسی کے دین و ایمان پر رائے زنی کی جائے۔

ایمان کے بعد عبادات کی طرف آیئے۔ تمام عبادات اللہ کے لئے مخصوص ہیں۔ کسی بڑے سے بڑے شخص کے لئے کسی عبادت کا ایک معمولی حصہ تک مخصوص نہیں ہے تو آخر تاریخی واقعات کا مسلمانوں کی عبادات سے ٹکراؤ کیوں کر ہو سکتا ہے۔

معاملات کا مطالعہ کیجئے، تاریخی واقعات کا یہاں بھی کوئی تعلق ظاہر نہیں ہوتا۔ لہٰذا تاریخی واقعات اور شخصیات کے بارے میں درمیانی راہ یہی ہے کہ جس شخص یا فرقے کا کسی خاص واقعے یا شخص کے تاریخی کردار پر جیسے بھی ایمان ہو وہ اسے اپنے تک ہی محدود رکھے، اسے دوسروں پر نافذ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ اتحاد ملت کی جانب پہلا قدم ہو گا۔

البتہ تاریخی واقعات میں سچائی کی تلاش میں رہنے والے افراد یہ کوشش کرتے رہیں کہ وہ قرآن و سنت اور تاریخ کا براہ راست مطالعہ کریں اس مطالعہ کے بعد جب وہ جان لیتے ہیں کہ قرآن و سنت، افراد کے بارے میں کیا تعلیم دیتے ہیں تو انہیں دوسرے کاموں میں سر کھپانے کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ ان کی زیادہ سے زیادہ کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے مطابق گزاریں۔ انہیں کسی دوسری شخصیت پر، جس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہو چکا ہو، خواہ مخواہ رائے زنی کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ اگر

محراب و منبر کے امین ہوں تو وہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اسوہ حسنہ کے گوشے بتا کر اس پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان علماء کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر مسلمان نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ رہے تاریخی واقعات اور کردار، تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہو چکا ہے جن پر رائے زنی کرنا مورخین کا منصب ہے اور وہ یہ کام کرتے چلے آرہے ہیں۔ بے مقصد زندگی گزارنے والے اصحاب بہرحال شخصیات کے سحر میں گرفتار رہتے ہیں۔

رسم و رواج میں اختلافات

ہر تہذیب اور ہر تمدن کا اشتقاق کسی خاص مخرج یا سرچشمہ سے ہوتا ہے۔ یہ تہذیب اپنے ارتقائی سفر میں رسم و رواج اور معاشرتی ادب آداب وضع کرتی رہتی ہے۔ رسم و رواج اور معاشرتی آداب کی تراش خراش اور ٹوٹ پھوٹ میں لاتعداد خارجی عوامل بھی حصہ لیتے ہیں۔ یہ عوامل موسمی اختلاف کے باعث ہو سکتے ہیں۔ زبان کا اختلاف بھی تاریخی عمل میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔ مقامی رسم و رواج، آلات و اوزار اور ماحول کے باقی عناصر بھی اس تہذیب کی تشکیل میں اپنا اپنا حصہ ادا کرتے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے اثر انداز ہونے سے بھی انکار ممکن نہیں۔ دوسری تہذیبیں بھی کسی خاص تہذیب پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔

اسلامی تہذیب بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس تہذیب نے اپنے طور پر تو اپنی تشکیل کے لئے صرف قرآنی تعلیمات اور اسوہ رسول پر انحصار کیا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے گزشتہ سطور میں لکھا کہ بہت سے دوسرے عوامل بھی تہذیب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لباس، رہن سہن، بود و باش اور موسمی تغیر کے اختلافات سے اسلامی طرز زندگی کی مختلف شکلیں وضع ہوئیں۔ ان تمام شکلوں پر قرآن و سنت کی چھاپ جلی صورت میں واضح ہے۔ اپنے ہاں برصغیر پاک و ہند کے کچھ علاقوں میں بچے کی پڑھائی شروع ہونے پر رسم بسم اللہ کے نام سے ایک تقریب منعقد ہوتی ہے جس میں خاندان کے افراد شرکت کرتے ہیں۔ قرآن ختم کرنے پر رسم الحمد للہ ہوتی ہے۔ کچھ علاقوں میں مسلمانوں کے اندر اجتماعیت کے اس فطری ذوق نے بعض مواقع پر قرآن خوانی کی شکل اختیار کر لی۔ بعض علاقوں کے مسلمان منگنی کے بعد محفل میلاد منعقد کرتے ہیں۔ ایک دوسرے رہن سہن کے مسلمان ماتم پر سوئم، اور چالیسویں کے نام پر قرآن خوانی کا اہتمام کرتے ہیں۔ ایک اور طرح کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے لئے باقاعدہ محفلوں کا انعقاد کرتے ہیں۔ بچے کی پیدائش پر نام کے انتخاب کا مسئلہ ہو تو یہ کام بھی

قرآن کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ کسی مشکل مرحلے کا سامنا کرنا پڑے تو قرآن سے فال نکالی جاتی ہے۔ شادی پر دلہن کی رخصتی کا موقع آئے تو اسے قرآن کے سائے میں گھر سے رخصت کیا جاتا ہے۔ یہ تمام رسوم و رواج اسلامی تہذیب کی مخصوص شکلیں ہیں۔ ان کا دین اسلام سے بطور مذہب کوئی تعلق نہیں جبکہ اسلام کا ان افعال سے لازماً تعلق موجود ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ جن تہذیبوں کے پاس قرآن و سنت نہیں ہیں۔ وہاں کیا ہوتا ہے؟ نام رکھنا ہو تو ستاروں کی چال سے، کوئی کام کرنا ہو تو علم جوتش اور رمل کی مدد سے، سالگرہ کا انعقاد موم بتیوں کو پھونک مار کر بجھا دینے کے بے مقصد عمل کی صورت میں، شادی بیاہ پر موسیقی کی بے لگام تانوں کی شکل میں، کسی اور خوشی کے حصول پر رقص اور دھماچوکڑی کے بہیمانہ عمل سے، اور کوئی مرجائے تو کچھ دیر کی خاموشی، پھولوں کی چادر وغیرہ۔

مسلمانوں کی جن رسموں کا ہم نے ذکر کیا، یہ عین قرآن و سنت نہیں ہیں۔ اور ہم ان کے جواز یا عدم جواز پر گفتگو بھی نہیں کر رہے۔ ثواب و عقاب کے بارے میں بھی اللہ کو معلوم ہے۔ ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ رسم و رواج بہرحال پائے جاتے ہیں۔ ان رسوم و رواج میں من جملہ بہت سے عیوب کے یہ بات ہر ایک کے لئے خوشی کا باعث ہونا چاہیے کہ ان رسوم و رواج کا تعلق قرآن و سنت سے کسی نہ کسی شکل میں ہے۔

رسوم و رواج کے ان اختلافات کو بعض لوگوں نے بعض مسالک کی طرف منسوب کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھنے والے بعض افراد کے خیال میں ان میں سے بعض قسم کے رسم و رواج منانا بدعت ہے لہٰذا ان سے اجتناب بہتر ہے۔ یہ رائے خلوص نیت اور حسن عقیدت پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس رائے کے حامل افراد اگر کلچر کے بارے میں دی گئی گزشتہ دو مثالوں پر غور کریں تو قرآن و سنت کے گرد گھومنے والا کلچر، چاہے اسے بدعت کا نام دیا جائے، لادینی طرز زندگی پر مبنی کلچر سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس کی مخالفت کرنے والوں سے گزارش ہے کہ براہ کرم مسلمانوں کو آزاد فضا میں رہنے کا موقع دیجئے۔ کیونکہ مسلمانوں کا یہ کلچر اس دور پرفتن میں، یقین جانئے غنیمت ہے۔ دوسری طرف ایسے رسم و رواج منانے والے مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ تقریبات مناتے وقت انہیں سنت کے مساوی درجے پر نہ رکھیں۔ قرآن کا پڑھنا یقیناً ثواب ہے۔ لیکن کسی خاص موقع پر خاص انداز میں پڑھنا اور اس سے بھی آگے بڑھ کر دوسروں کے لئے اسی خاص اسلوب میں لازم ٹھہرانا، اور وہ اسلوب اختیار نہ کرنے والے کے بارے میں بے جواز رائے قائم کرنا، تعلیمات اسلامی کے منافی

ہے۔ ممکن ہے دوسرے لوگ قرآن پڑھنے کا کوئی اور طریقہ اختیار کرتے ہوں اس لئے اس بارے میں خوش گمانی اور اعتدال سے کام لینا چاہیے۔

اختلافات کے اسباب

دینی علوم اور طرز فکر میں اختلافات کیوں ہوئے؟ اس کی دو بڑی وجوہ ہیں جن میں سے ہر ایک کی الگ الگ انواع ہیں۔ پہلی قسم میں منطقی وجوہ ہیں۔ منطقی وجوہ لازمی اور ناگزیر ہیں۔ یہ کہہ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ تنوع کی خاطر اللہ حکیم نے یہ اختلافات خود پیدا کئے ہیں۔ ایک دکان سے چیز مہنگی یا قدرے کم تر مل رہی ہو تو انسانی فطرت اسے دوسری دکان پر لے جاتی ہے۔ ایک تجارتی ادارے کی مصنوعات پسند نہ ہوں تو دوسرے ادارے کی بنی ہوئی اشیاء خرید لی جاتی ہیں۔ اللہ نے شریعت وضع کرتے وقت اسی انسانی فطرت کے مطابق متنوع احکام نازل کئے۔ دوسری قسم کے اسباب بے جواز' خود ساختہ' اور تعلیمات اسلامی سے دوری کا نتیجہ ہیں۔ یہ اسباب غیر منطقی اسباب کے عنوان کے تحت جمع کئے گئے ہیں۔ منطقی اسباب خود اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔

منطقی اسباب

پہلے اختلافات کے منطقی اسباب پر گفتگو کی جائے گی۔

۱۔ قرآن و سنت کے مفہوم میں اختلاف کی گنجائش

فقہی اختلافات کا ایک سبب یہ ہے کہ قرآن و سنت کے مفہوم کی ایک سے زائد طرح تعبیر و تشریح ممکن ہو سکتی ہے۔ طلاق یافتہ عورتوں کے لئے عدت کا تعین قرآن میں "ثلاثۃ قرو" کی ترکیب سے کیا گیا ہے (بقرہ' ۲: ۲۲۸) جس کے دو مختلف لغوی مفہوم ہیں۔ لغت میں ان دونوں مفاہیم کی گنجائش موجود ہے۔ لہٰذا احناف اور شافعی علماء نے اپنے اپنے اخذ کردہ مفہوم کے حق میں دوسرے نقلی و عقلی دلائل دے کر الگ الگ نقطہ نظر قائم کئے ہیں۔ یہ دونوں نقطہ نظر درست ہیں اور دونوں کی اجازت قرآن کے الفاظ سے ملتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت کو اس ہدایت کے ساتھ ایک دوسرے مقام پر بھیجا کہ عصر کی نماز وہاں جا کر ادا کی جائے۔ راستے میں ایسا وقت آگیا کہ اگر وہ

اس ہدایت پر عمل کرتے تو وہاں پہنچتے پہنچتے سورج غروب ہو جاتا۔ کچھ صحابہ نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہر حال میں کرنا چاہیے۔ کچھ دوسرے صحابہ کا خیال تھا کہ نماز فرض ہے جس کا ادا کرنا اولین ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر نماز ادا کرنے کو اس لئے کہا تھا کہ ہم نماز عصر سے پہلے وہاں پہنچنے کی کوشش کریں اب چونکہ یہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی اس لئے ہمیں راستے میں پہلے نماز ادا کرنا چاہیے۔ یہ کہہ کر ان صحابہ نے اپنی نماز وہیں راستے میں ادا کی۔ اتفاق سے مقررہ مقام پر پہنچنے پر دوسروں کو بھی عصر کی نماز ادا کرنے کا موقع مل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ اختلاف رائے سنا تو خاموشی اختیار کر کے دونوں کو جائز قرار دیا(۳)۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی حکم سے بیک وقت دو مختلف نتائج بھی نکل سکتے ہیں۔ قرآن کی تقریباً پانچ سو آیات الاحکام میں سے ان آیات کی تعداد انسانی ہاتھ کی انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے جن کا صرف ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے۔ بقیہ تمام آیات کے ایک سے زائد مفہوم لازماً" موجود ہیں۔

ب۔ سنت کے علم میں کمی بیشی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اور سنتیں' جس سہولت اور اہتمام کے ساتھ آج ہمیں دستیاب ہیں' صحابہ کرام' تابعین اور بعد میں آنے والے فقہاء کو حاصل نہ تھیں۔ کسی ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی' اس نے اس پر عمل کیا' دوسروں کو خبر تک نہ ہوئی' وہ اپنے فہم کے مطابق عمل کرتے رہے۔ اسی طرح بعض صحابہ کرام غزوات' دعوت دین' تجارت اور سرکاری امور پر مامور ہونے کی وجہ سے دوسرے علاقوں میں پھیل گئے۔ انہیں سنت کا جس قدر علم تھا' اس پر عمل کرتے رہے۔ پیچھے رہ جانے والے اس عمل سے محروم رہے' وہ اپنی بصیرت کے مطابق اجتہاد کرتے رہے۔ اس طرح لوگوں کے لئے ایک سے زائد طریقوں پر عمل کرنا شروع ہوا۔ اس عمل کے اثرات وقت کے ساتھ ساتھ گہرے ہوتے چلے گئے۔ اور یوں جن لوگوں نے ابتدا جس طریقے پر عمل کیا' اسی پر چلتے رہے یا کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایک عمل دیکھا بعد میں وہ عمل آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ترک کر دیا جس کی خبر اس صحابی کو نہ ہوئی۔ وہ پہلے طریقے پر عمل کرتا رہا بعد میں آنے والے لوگ دوسرے طریقے پر عمل کرتے رہے۔ ان دونوں کو جن جن لوگوں نے دیکھا وہ انہی کی پیروی کرتے رہے۔ اس وجہ سے بھی اختلاف کی ابتدا ہوئی۔

ج۔ انسانی فہم

بارش کا پانی پتھریلی زمین کو سوائے گیلا کرنے کے اس پر کوئی دوسرا اثر نہیں چھوڑتا۔ ریتلی زمین میں پانی جذب ہو جاتا ہے لیکن جلد ہی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے۔ چکنی مٹی والی زمین میں پانی صرف جذب ہی نہیں ہوتا' طویل عرصے کے لئے وہاں قرار بھی پکڑتا ہے۔ طبقات الارض کے اس اختلاف کی وجہ سے مختلف علاقوں کے پھل اور سبزیاں مختلف ہوتے ہیں۔ انسانی ذہن میں بھی اس طرح کی درجہ بندیاں ہیں۔ ایک تاریخی قلعہ دیکھنے سے عام فرد کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے نزدیک وہ محض بھاری پتھروں کا ایک مجموعہ ہوتا ہے۔ تعمیرات کا ماہر اسے دیکھ کر اس خاص دور کے فن تعمیر کے بارے میں کچھ سیکھتا ہے۔ جنگی امور سے دلچسپی رکھنے والا فرد یہ قلعہ دیکھ کر اس دور کے فن حرب کا مطالعہ کرتا ہے۔ علم بشریات کا ماہر اپنے زاویہ نگاہ کے مطابق مختلف نتائج نکالتا ہے۔ بالکل اسی طرح قرآن و سنت کے مطالعہ سے مختلف انسان مختلف چیزیں سیکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب مانعین زکوۃ کا فتنہ کھڑا ہوا تو تمام صحابہ کرام کی رائے تھی کہ زکوۃ ادا نہ کرنے والوں سے درگزر کیا جائے' حالانکہ تمام صحابہ کرام قرآن و سنت سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن اکیلے حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں کہا کہ اگر کوئی شخص بکری کے ایک سالہ بچے جیسی بے وقعت شے کے مساوی زکوۃ دینے سے بھی انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف جنگ کروں گا۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے جن میں نماز اور زکوۃ بھی شامل ہیں۔ زکوۃ کا ذکر نماز کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔ اس لئے اس کی اہمیت وہی ہے جو نماز کی ہے۔ یہ رائے سننے کے بعد صحابہ کرام نے حضرت ابوبکرؓ سے اتفاق کیا اور اپنی رائے چھوڑ دی(۴)۔

اب ذرا دیکھئے کہ ایک ہی واقعہ سے رسول اللہ کی اپنی تیار کی ہوئی جماعت کے افراد دو

مختلف نتائج نکال رہے ہیں۔ قرآن کریم کا جتنا مطالعہ حضرت ابوبکرؓ کرتے تھے، دوسرے بھی کم و بیش اس کا اتنا ہی اہتمام کرتے تھے۔ بہت سوں کا عرصہ ایمان بھی حضرت ابوبکرؓ جتنا ہی تھا۔ رسول اللہ سے قرب و بعد کے اعتبار سے بھی بہت سے صحابہ تقریباً ان کے برابر تھے۔ دین کے بارے میں ان کی تڑپ بھی کسی مباحثے کا عنوان نہیں ہو سکتی۔ تو آخر کیا وجہ ہے کہ صحابہ جو بات کہہ رہے تھے حضرت ابوبکرؓ کا خیال اس کے برعکس تھا؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسانی ذہن بھی زمین کی کئی سطحوں ہی کی طرح ہے جس میں فہم کی مثال پانی کی طرح ہے۔ اس زمین پر قرآنی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کی بارش نے مختلف اثرات ڈالے۔ اس لئے انہوں نے ایک خاص واقعہ کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا۔

انسانی فہم کے باعث بھی قرآن و سنت کے احکام میں اختلافات کی گنجائش موجود ہے۔

د۔ وقت کی تبدیلی

منطقی اسباب میں سے وقت کی تبدیلی بھی اختلافات کا باعث ہوئی ہے۔ نماز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور عمل کا مطالعہ کرنے کے بعد فقہائے احناف نے پانچوں نمازوں کے اوقات کو منضبط کیا۔ کس نماز کے لئے کتنا مقررہ وقت ہے؟ یہ وقت کب شروع ہوتا ہے؟ دو نمازوں کا نقطہ اتصال کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ جیسے نماز ظہر کے بارے میں حنفی مکتب فکر کا کہنا ہے کہ اس کا وقت نصف النہار سے لے کر زوال تک ہے حتیٰ کہ کسی شے کا سایہ دگنا ہو جائے۔ یہ رائے اس وقت تک کے دریافت جغرافیائی علم پر مبنی تھی۔ اب اس رائے کا اطلاق شمالی و جنوبی نصف کرے کے انتہائی مقام پر نہیں ہو سکتا۔ وقت کی تبدیلی کے باعث جب یہ معلومات سامنے آئیں تو متاخرین کو اس بارے میں بھی سوچ بچار کرنا پڑی۔ اور بعض اوقات آراء میں بڑے پیمانے پر تبدیلی کی ضرورت پیدا ہوئی۔ جس وجہ سے آراء میں اختلافات پیدا ہوئے۔

و۔ مقام کی تبدیلی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زرعی اجناس کی مقدار کے تعین کے لئے

عرب معاشرے میں ایک پیمانہ "صاع" کے نام سے معروف تھا۔ جس کی مقدار مختلف علاقوں میں کم و بیش تھی (جس طرح صوبہ پنجاب میں ایک مربع زمین کا مفہوم صوبہ سندھ کے مفہوم سے یکسر مختلف ہے) چنانچہ احادیث میں صدقہ فطر کے لئے جب ایک صاع گندم یا جو مقرر ہوا تو فقہاء میں اس بارے میں اختلاف پیدا ہوا۔ بعض کے نزدیک مدینے میں رائج صاع اس کام کے لئے پیمانہ مقرر ہوا۔ کچھ دوسرے اصحاب نے ایک دوسرے معیار سے استفادہ کیا جو اول الذکر سے مختلف تھا(۵)۔ اس طرح مقامات میں تبدیلی کے باعث بھی دینی معاملات میں اختلاف پیدا ہوا۔

ھ۔ حالات میں تبدیلی

کسی زمانے یا وقت میں حالات کے بدل جانے سے بھی احکام میں تبدیلی ممکن ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ جب اسلام میں داخل ہوئے تو ان پر پرانے عقائد کا اثر باقی تھا۔ اس لئے آپ نے لوگوں کو قبروں کی زیارت سے روک دیا کہ ممکن ہے لوگ اپنے سابقہ عقیدے کی وجہ سے قبر کے بارے میں پھر وہی رویہ اختیار کر لیں جو مشرکین اختیار کرتے تھے لیکن بعد میں جب لوگوں کے عقائد پختہ ہو گئے اور یہ خدشہ نہ رہا تو آپ نے لوگوں کے لئے امتناع زیارت قبور والا حکم منسوخ کر دیا(۶)۔

یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک زیارت قبور اب مطلقاً" جائز ہے اور کچھ کا خیال ہے کہ جب غیر پختہ عقیدہ کے حامل لوگوں سے یہ خطرہ ہو کہ وہ قبروں پر مشرکانہ افعال کا ارتکاب کریں گے تو ان کا قبروں پر جانا ٹھیک نہیں ہے۔ اس طرح کے اختلافات حالات کی تبدیلی کے باعث بھی پیدا ہوئے۔

ر۔ انسانی مزاج اور ذوق میں تنوع

تمام دنیا میں دو انسان آپس میں ہم شکل نہیں ہیں۔ اسی طرح دو افراد اپنے خیالات میں بھی مکمل ہم آہنگ نہیں ہو سکتے۔ کسی کو ایک رنگ پسند ہے تو دوسرا کسی دوسرے رنگ سے اپنے لباس اور رہن سہن میں رنگینی پیدا کرتا ہے۔ کوئی ایک طرح کی غذا پسند کرتا ہے تو دوسرا انہی

غذائی اجزاء سے تیار ہونے والی غذا کی کوئی دوسری شکل اپنے لئے مناسب خیال کرتا ہے۔ ذوق اور پسند ناپسند میں یہ تنوع (Variety) اللہ کا ودیعت کردہ ہے اور مکمل طور پر جائز ہے، تاوقتیکہ شریعت کی مقرر کردہ حدود کے ٹوٹنے کا خطرہ نہ پیدا ہو جائے۔

اسی طرح قرآن و سنت کے احکام اور رسول اللہ کے اسوہ حسنہ کے بے شمار پہلوؤں کو ہر فرد اپنی اپنی پسند کے مطابق اختیار کرتا ہے۔ جری، شجاع اور بہادر فرد قرآن میں سے جہاد کے احکام لے کر ان کی دعوت و تبلیغ کا کام کرتا ہے۔ علمی ذوق رکھنے والا شخص ابتدا نازل ہونے والے کلمہ "اقراء" کو تعلیمات اسلامی کا دیباچہ قرار دے کر تعلیم و تعلم ہی کو اوڑھنا بچھونا بناتا ہے۔ گوشہ نشین اور تنہائی پسند افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے آپ کے غار حرا میں عبادت کرنے کو بنیاد بنا کر خلوت گزینی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ مال و دولت سے کراہیت پیدا کرنے والے احکام سن کر بعض افراد فقر کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے حضرت عثمانؓ کے مال و دولت اور سخاوت کی وجہ سے مال کو دین کی اشاعت کا ذریعہ بناتے ہیں۔ کچھ لوگ قرآنی احکام میں قلت و کثرت تلاش کر کے یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ قرآن میں چونکہ نماز کا ذکر بہت زیادہ آتا ہے اس لئے زیادہ توجہ اسی طرف دینی چاہیے۔ زبردست، اور قوت و جبروت رکھنے والے برائی مٹانے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ مرنجان مرنج اور صلح جو افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ نیکی کی دعوت عام کرنے سے برائی خود بخود مٹ جاتی ہے۔ ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی (احزاب، ۳۳: ۵۶) والی آیت سے کچھ اصحاب یہ مراد لیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اللہ کو مرغوب ہے اس لئے وہ یہی کام کرتے ہیں۔ انہوں نے اس کی بنیاد پر ایک مکمل مسلک بنا لیا۔

یہ سب افعال اسلامی تعلیمات کے وسیع دسترخوان سے اپنی اپنی پسند کی غذا کی خوشہ چینی ہے۔ ہم آئے دن دعوتوں میں شریک ہوتے ہیں اور اپنی اپنی پسند کی چیزیں کھا پی کر آجاتے ہیں۔ ہمیں اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ اس وقت کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں۔ لیکن جب

معاملہ اسلامی افعال کا آتا ہے تو ہر فرد، ہر گروہ اور ہر فرقہ صرف وہی فعل درست خیال کرتا ہے جسے وہ خود پسند کرتا ہے۔ وہ دوسروں کو فوراً رد کر دیتا ہے۔ یہ رویہ درست نہیں ہے اسلامی تعلیمات اس سے منع کرتی ہیں۔

انسانی ذوق خود اللہ کا تخلیق کیا ہوا ہے جو ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے جب تک کوئی شخص صراحتاً" خلاف اسلام فعل کا ارتکاب نہ کرے، جائز افعال میں سے کسی کو ناپسند کرنا یا روکنا سخت غلط بات ہے۔ کیونکہ ممکن ہے فریق مخالف بھی ناپسند کرنے والے کے اپنے افعال کو درست نہ سمجھ رہا ہو۔ اس لئے جائز افعال کے وسیع انتخاب میں سے تمام انتخاب درست ہو سکتے ہیں۔

۲۔ غیر منطقی اسباب

اب تک ہم نے ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن کی اسلام میں گنجائش موجود ہے۔ صرف انسانوں کے انتہا پسندانہ رویوں کے باعث منطقی اسباب نے بھی امت کے اندر غیر منطقی فضا پیدا کر دی ہے جو مناسب کوشش سے دور ہو سکتی ہے۔ اسباب اور اختلاف بہرحال اپنی جگہ رہیں گے اور اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی امت متحد ہو سکتی ہے۔ اختلافات کا کوئی واسطہ اتحاد ملت یا اختلاف سے نہیں ہے۔

اس کے برعکس بعض اسباب غیر منطقی ہیں، جب تک وہ ختم نہ ہوں امت میں انتشار کی کیفیت رہے گی۔ یہ اسباب دور کر کے ہی امت متحد ہو سکتی ہے۔ ذیل میں غیر منطقی اسباب مختصراً پیش کئے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اختلافات کو دور کرنا کس قدر محنت طلب اور صبر آزما کام ہے۔

ا۔ جہالت

اسلامی علوم میں جب بھی لفظ جہالت استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد مطلقاً" جہالت نہیں ہوتی اور نہ وہ مفہوم لیا جاتا ہے جو ان پڑھ کے معانی پر دلالت کرتا ہے۔ بلکہ یہاں جہالت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی خاص علم سے بے بہرہ ہو۔ جیسے علم طب نہ جاننے والا علم کیمیاء کا چاہے امام ہی کیوں نہ ہو، طب کے معاملے میں جاہل ہے۔ اسی طرح علوم اسلامیہ کے بنیادی علم سے ناواقف شخص اس میدان میں جاہل کہلاتا ہے، بے شک وہ کسی بہت بڑی جامعہ

سے فلسفہ میں سند یافتہ ہی کیوں نہ ہو۔

ایسے ہی جاہل لوگوں نے جب اپنے کسی دوسرے مرتبہ کی وجہ سے اسلامی علوم میں رائے دے دے کر عوام کے ایک جم غفیر کو اپنے ساتھ ملا لیا تو امت میں اختلافات پیدا ہوئے۔

عوام بالکل جاہل ہونے کی وجہ سے اپنے سے برتر افراد کی اتباع کرتے ہیں۔ وہ خود تجزیہ یا غور و فکر کرنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ اس لئے وقت نے ایسے لوگوں کے عقائد کو آہستہ آہستہ ایک خاص نہج پر پختہ کر دیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کا ایک خاص مکتب فکر خود بخود وضع ہو گیا۔ بعد میں اس خاص طبقہ کے افراد میں سے علوم اسلامی کے ماہر بھی پیدا ہوتے رہے لیکن بنیادی طور پر ایک خاص وضع پر فکری تشکیل ہونے کی وجہ سے یہ لوگ کسی بھی تبدیلی کو قبول کرنے پر رضا مند نہیں۔ کیونکہ انہیں خدشہ ہے کہ ان کے مسلک کے ماقبل کے بزرگ ہدف تنقید بنائے جا سکتے ہیں جو انہیں پسند نہیں ہے۔

اس لئے لوگوں کی جہالت کو اسلام سے منسوب کرنا علمی دیانت نہیں ہے اس کے ذمہ دار لوگ ہیں، اسلام نہیں ہے۔

ب۔ رابطے کا فقدان

غلط اور صحیح طرز کے مکاتب فکر کے بننے سے ان میں ایک بہت ہی بڑی علت پیدا ہو گئی کہ انہوں نے اپنی فکر ہی کو صحیح سمجھا اور دوسروں کو غلط گردانا۔ کسی نے کبھی یہ کوشش نہ کی کہ اپنے علاوہ دوسروں کو بھی سنا جائے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ دو مختلف طرح کے طرز فکر میں بعد المشرقین پیدا ہونے کا ایک سبب یہ ہے کہ دونوں میں رابطہ ہی نہیں ہو سکتا۔ صحت مند مجالس مذاکرہ یا علمی مباحث کے دروازے دونوں نے ایک دوسرے کے لئے بند کر دیئے۔ اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ ایک مکتب فکر کا فرد دوسرے کی مسجد میں چلا جائے تو اسے ناپسند کیا جاتا ہے۔ یہ بھی لوگوں کا غلط طرز عمل ہے، اسلام اس کی کبھی اجازت نہیں دیتا۔ لہٰذا یہ خرابی اسلام یا تعلیمات اسلامی کی پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ انسانی فکر کی کجی کا نتیجہ ہے۔

ج۔ تقلید محض

جہالت اور رابطے کے فقدان کے ساتھ ساتھ جاہل افراد اپنی بے علمی کی وجہ سے اپنے ہی مکتب فکر کے بعض افراد کی پیروی کرتے رہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر شخص نہ مجتہد بننے کا اہل ہے اور نہ بن سکتا ہے لیکن بنیادی اسلامی عقائد اور ایمانی تقاضے جاننا ہر مسلمان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ یہ فریضہ ادا کرنے میں کوئی کوتاہی کسی صورت میں معاف نہیں کی جا سکتی۔ اس بارے میں کسی کے خام خیالات کی پیروی کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ ایمان اور عقیدہ کے مبادی قرآن و سنت سے براہ راست حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ وہ اصحاب' جو قرآن و سنت کا روزانہ تھوڑا بہت مطالعہ کرنے کے عادی ہیں' جانتے ہیں کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے اور نہ حاصل کرنے والے شخص کے رویئے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ہمارے موجودہ مسلم معاشرے میں قرآن فہمی کا التزام اب کم و بیش نہ ہونے کے برابر ہے۔ دین کے بارے میں لوگوں کا علم بڑی حد تک سنا سنایا' اخباری' سطحی اور پوجا پاٹ کی حد تک رہ گیا ہے۔ معاشرے میں ادھر ادھر دیکھ لیجئے نماز' روزہ' حج اور جملہ فرائض ادا کرنے والے افراد میں سے کتنے ہیں جو میت کے ترکے کو قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق تقسیم کرتے ہیں؟ کتنے ہیں جو اپنے علاوہ کسی دوسرے مسلک کے بڑے افراد کی تکریم کرتے ہیں؟ حالانکہ اسلام ان دونوں کاموں کا تقاضا کرتا ہے۔

لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کی تقلید محض کی وجہ سے بھی امت میں گروہی رجحان پیدا ہوئے جو مسلمانوں کی کوتاہی کی وجہ سے ہے' نہ کہ اسلامی تعلیمات کی وجہ سے۔

د۔ دوسروں کو نہ سننے کا رجحان

اختلافات کی ایک اور بڑی وجہ دوسرے فریق کی بات نہ سننے کا رجحان ہے۔ ایک مسلک کے افراد اپنی درس گاہ میں دوسرے مسالک کے افراد کا داخلہ قطعاً" ممنوع قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک بھی شاید درست قرار دیا جا سکتا' لیکن اس کے ساتھ وہ اپنے بچوں کو بھی دوسروں کی درس گاہ میں جانے سے روک دیتے ہیں۔ نہ اپنی بات دوسروں تک پہنچائی جاتی ہے اور نہ دوسرے کا کہا ہوا سنا جاتا ہے۔ یہ رویہ بعض نفسانی الجھنوں کا غماز ہے۔ اگر کسی کی رائے اس کے اپنے

خیال میں درست ہے تو اسے دوسروں تک پہنچانا اس کا فرض ہے۔ اب جو آدمی خود چل کر اس کے پاس آئے کہ اس کی درست بات سنے' اس کے ساتھ موصوف کا رویہ ظالمانہ ہوتا ہے حالانکہ عقل کا تقاضا ہے کہ چل کر آنے والے فرد پر بطور خاص توجہ دی جائے۔

ایک مسلک کے افراد دوسروں کی کتابوں کو پڑھنا پسند نہیں کرتے۔ یوں ہر طبقے نے اپنے اپنے کان اور آنکھیں بند کر رکھے ہیں۔ دین کا جو تصور کسی کو پیدائشی طور پر ملا' گھر کے افراد کو جس قسم کی پوجا پاٹ کرتے دیکھا' یا محلے کے نیم خواندہ پیش امام کو جو کہتے سنا' وہی اسلام سمجھا اور ساری زندگی کسی دوسرے سے کوئی نئی بات سمجھنے کی کوشش نہ کی۔

اس منفی رویئے نے امت کے اندر افہام و تفہیم کی پاکیزہ فضا ختم کر دی ہے لیکن یہ رویہ بعض نادان افراد کا ہے۔ اسلام اس قسم کی باتوں کی تعلیم نہیں دیتا ہے اور نہ امت کے سارے افراد اس قدر بے بصیرت ہیں۔ معاشرے میں مسلمانوں کی غالب اکثریت اس رویے پر ایمان نہیں رکھتی اور نہ اختلافات کا یہ سبب شریعت اسلامی کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ ذرا بلند سطح پر دیکھا جائے تو یہ صورت حال بالکل نہیں ملتی۔

و۔ ترجیحات کا واضح نہ ہونا

اس باب کے آغاز میں اختلافات کے منطقی اسباب میں انسانی مزاج اور ذوق میں تنوع کو بھی شمار کیا گیا تھا۔ ذوق اور مزاج میں تنوع کے باعث ہر فرد یا گروہ اپنی اپنی پسند کے خوان نعمت میں سے کچھ لے لیتا تو یہ مستحسن قدم ہوتا۔ لیکن اسلام کی مجموعی تعلیمات کا مطالعہ کر کے اسے ایک کل کے بطور لینے کی بجائے اس کے بعض جزئی مسائل ہی کو اسلام کی اصل قرار دیا گیا۔ کسی نے حضور اکرم کے ادا کئے ہوئے کسی خاص طریقے کو صحیح سمجھا تو صرف اسی کی ترویج کو اپنے ایمان کا حصہ بنا ڈالا۔ دوسرے ایمانی تقاضے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ کسی دوسرے کے خیال میں تعلق باللہ اگر ضروری ہے تو وہ دوسری انتہا پر جا کھڑا ہوا۔ اس نے اللہ کے بندوں کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ ان سے قطع تعلق کرنے کی حد تک بے رخی اختیار کر لی۔ جس کسی کے نزدیک جہاد افضل ہے' اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والے کو

تن آسان سمجھ لیا۔ اور جس کے خیال میں قوت و اقتدار پر قبضہ کئے بغیر اسلامی شریعت کا نفاذ ممکن نہیں اس نے گھر گھر پہنچ کر دین کی تبلیغ کرنے والوں کو غلط سمجھا۔

حالانکہ اسلام کو بطور کل لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سب رویے ہی اسلام کی عمارت کے مختلف خوبصورت پہلو ہیں جن سے اسلام مکمل ہوتا ہے۔ کسی عمارت کے دروازے کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن دروازہ ہی عمارت نہیں ہوتا۔ اسی طرح مختلف لوگوں کے ذوق کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے یہ مختلف مکاتب یا مسالک مکمل اسلام تو ہرگز نہیں ہیں لیکن یہی مسالک یا مکاتب فکر ہی اسلامی معاشرے کے کل پرزے ہیں۔ نہ تو کوئی ایک راستہ مکمل اسلام ہے اور نہ کسی ایک کے عدم وجود سے اسلامی معاشرت کا تصور مکمل ہو سکتا ہے۔

اس لئے جب تک یہ معاشرتی اسلامی اکائیاں اپنی اپنی ترجیحات واضح طور پر متعین نہیں کرتیں، مکمل اسلامی معاشرے کا قیام مشکل ہے۔ کسی کے خیال میں اگر دعوت و تبلیغ اہم ترین کام ہے تو وہ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے کر غور کرے، ہو سکتا ہے اسلام دشمن قوتوں کی وجہ سے وہ اپنی ترجیح بدل کر جہاد کو احسن خیال کرے۔ جو گروہ یہ سمجھتا ہے کہ نیکی کی تبلیغ کرنا برائیوں کو خود بخود ختم کر دیتا ہے، وہ تھوڑا سا سوچ لے تو ممکن ہے اپنی ترجیح بدل کر برائیوں کو مٹانے کے لئے کمربستہ ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کاموں کو اہم سمجھ کر اپنے لئے کوئی نیا لائحہ عمل تیار کرے۔

ھ۔ غیر اسلامی افکار و نظریات

اسلام کی خالص اور سچی فکر کو آلودہ کرنے میں غیر اسلامی افکار و نظریات نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد دوسرے مسلمان حکمرانوں کے دور حکومت میں یونانی کتب کے تراجم کی وجہ سے مسلمان مفکرین متاثر ہوئے۔ یہ چیز قرآن و سنت کو تو نہ تبدیل کر سکی لیکن اس نے قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح میں اختلاف ضرور پیدا کر دیا۔ اس کی وجہ مسلم مفکرین کی اپنی انفعالیت تھی، قرآن و سنت کی تعلیمات میں یہ گنجائش نہیں تھی۔

اسلامی فکر میں یہ آلودگی اس وقت سے آج تک کسی نہ کسی شکل میں چلی آرہی ہے۔ بعد

کے ادوار میں جب مسلمان دنیا کے سیاسی اقتدار سے محروم ہو گئے تو حربی و اقتصادی کمزوری کے ساتھ ان کے فکری سوتے بھی خشک ہوتے چلے گئے۔ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ ہر الٹے سیدھے فکری انتشار کو اسلام سے سند جواز عطا کرنے کا رجحان عام ہو گیا۔ کسی بالا سیاسی قوت کے ہاں نجی ملکیت کو ختم کیا گیا تو مسلمان مفکرین نے قرآن و سنت کے جزئی احکام کو کل سے جدا کر کے اس تصور کو فوراً عین اسلامی قرار دیا۔ بنکوں کا سود زیر بحث آیا تو کہا گیا کہ یہ وہ سود نہیں ہے جس کی حرمت قرآن و سنت میں ہے۔ مسلمان معاشرے میں رائج مغربی تصور اختلاط مرد و زن رائج کرنا پیش نظر ہو، تو سعی و طواف سے گمراہ کن استدلال کیا جاتا ہے۔ اور باقی تعلیمات اسلامی اور اسلام کی مجموعی اسکیم کو اس طرح نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اجتہاد کا ذکر آئے تو آزادانہ غور و فکر مراد لی جاتی ہے، حالانکہ پیچیدہ قسم کی فنی بحث میں پڑے بغیر سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس سے مراد آزادانہ غور و فکر ہی ہے تو مسلم فقہاء کو اس قدر گنجلک اصطلاح وضع کرنے کی آخر کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ اور اس کا نام ہی "آزادانہ غور و فکر" کیوں نہ رکھ دیا گیا؟

گمراہ کن تصورات دوسری بہت سی وجوہ کے باعث مسلم معاشروں میں جڑ پکڑ گئے۔ یہ تصورات بالعموم ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہتے ہیں۔ ایک سوچ کچھ عرصے تک اسلامی معاشرے میں نفوذ کرتی ہے لیکن کچھ عرصے بعد معدوم ہو جاتی ہے۔ پھر کوئی نیا تصور سامنے آتا ہے اور کچھ عرصے بعد وہ بھی منظر سے غائب ہو جاتا ہے۔

تدارک کی صورتیں

اختلافات دور کرنے کے لئے چند اقدام اختیار کرنا سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں تین اہم اقدام کا اٹھایا جانا بے حد ضروری ہے۔ یہ کام اجتماعی کوششوں کے نتیجے میں بھی ممکن ہیں۔ یہ حکومتی سطح پر بھی ہو سکتے ہیں اور انفرادی طور پر بھی ممکن ہیں۔ لیکن اس کے لئے حکومت ہی کی طرف دیکھتے رہنا اور خود کوئی کوشش نہ کرنا درست نہیں ہے۔ اس لئے جس شخص سے جتنا کچھ ہو سکے وہ کوشش کرے۔ یہ چند صورتیں مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں۔

۱۔ عربی زبان کا علم

مذکورہ بالا بہت سے اختلافات تو وہ ہیں جو محض عربی زبان کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔ یہ علم عام ہو جائے حتیٰ کہ ہر فرد قرآن و سنت کو اس طرح سمجھے جیسے اپنی مادری زبان سے واقف ہوتا ہے تو یقین جانئے مسلمان امت کے اختلافات کا بہت بڑا حصہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اس وقت عرب معاشرے کو چھوڑ کر مسلمان امت کا ایک بہت بڑا حصہ قرآن و سنت کو بغیر سمجھے پڑھتا ہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو ان کلمات میں پوشیدہ مفہوم سے واقف ہیں جنہیں ہم پانچوں نمازوں میں پڑھتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ نماز اور دوسری عبادات میں ادا کئے جانے والے کلمات کی حیثیت کم و بیش دوسرے مذاہب کے مناجات کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔ پڑھنے والے کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ وہ اللہ سے دعا و استغفار کرتے کرتے کیا کہہ رہا ہے؟ ثنا پڑھتے ہوئے وہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ کے سوا اس کا کوئی اور الہ نہیں ہے۔ لیکن روزمرہ زندگی میں اپنے ذاتی کاموں کے لئے وہ اللہ سے مدد لینے کی بجائے وہ ذرائع اختیار کرتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہیں۔ سورۃ فاتحہ میں وہ اقرار کرتا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ لیکن اپنے دوسرے ناخداؤں کی تعریف میں اس قدر رطب اللسان ہو جاتا ہے کہ جیسے وہی خدا ہیں۔ اللہ سے سیدھے راستے پر چلنے کے لئے دعا تو کرتا ہے لیکن کوئی سیدھا راہ دکھانے والا مل جائے تو اسے لائق التفات نہیں سمجھتا اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ وہ اپنی دعا میں مخلص نہیں ہے بلکہ اسے علم ہی نہیں ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ اور جو کچھ کہہ رہا ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟

یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم عربی نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اس بات کی از حد ضرورت ہے کہ ابتدا عربی زبان کا ضروری فہم عام ہو جائے حتیٰ کہ تمام مسلمان عربی زبان اس طرح سیکھ جائیں کہ جیسے وہ قومی زبان میں مہارت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ امام شافعی نے تو اپنی کتاب الرسالہ میں عربی زبان کا سیکھنا ہر مسلمان کے لئے فرض قرار دیا ہے(۷)۔

۲۔ قرآن و سنت کا مطالعہ

عربی زبان سیکھنے کے بعد قرآن و سنت کا مطالعہ از حد مفید عمل ہے۔ لیکن اسے عربی سیکھنے سے مشروط نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ ترجمے کے ذریعے قرآن و سنت کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

قرآن و سنت کی تعلیمات سے دوری نے بھی امت میں غیر اہم قسم کے اختلافات پیدا کر رکھے ہیں۔ قرآنی احکام کو سمجھا جائے، ان احکام کے اصول و مبادی کی تفہیم حاصل کی جائے تو لوگوں پر اس آفاقی دین کی نعمتیں

آشکارا ہو سکتی ہیں۔ وہ یہ جان سکتے ہیں کہ ایک مومن بندے سے اسلام کے اصل اور حقیقی مطالبات کیا ہیں؟ اور یہ کس قدر سادہ، دل نشیں، سہل اور واضح ہیں؟ قرآن کے دوسرے معجزات کے علاوہ اس کا ایک معجزہ یہ بھی ہے اس کے مضامین اپنے اندر ایک عام انسان کے لئے بھی اتنی ہی کشش رکھتے ہیں، جتنی کشش کسی بڑے فلاسفر کے لئے ہو سکتی ہے۔ اس لئے قرآن کا مطالعہ ہر فرد کے لئے ایک جیسا ہے۔ البتہ فہم کی مقدار میں انسانوں کے اعتبار سے کمی بیشی ممکن ہے۔

قرآن کے بعد اسوہ حسنہ کا مطالعہ بھی بہت ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کیسے گزاری؟ اس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ گھر کے اندر اہل خانہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک، محلے میں ہمسایوں سے آپ کے مراسم کیسے تھے؟ اپنے اعزہ و اقارب سے وہ کیسا برتاؤ کرتے تھے؟ صلح و جنگ میں آپ کا رویہ کیا ہوا کرتا تھا؟ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کمال ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے بعض پوشیدہ گوشوں کو بھی نجی معاملہ قرار نہیں دیا بلکہ انہیں دوسروں کے لئے عام کر دیا تاکہ مسلمان اپنا ہر سانس اللہ کے احکام کی روشنی میں لے سکیں۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست و برخاست کے بارے میں علم حاصل کرنا بھی اختلافات دور کرنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ تبھی ممکن ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ خود کو بدلنے کے عزم کے ساتھ کیا جائے۔

۳۔ تعلیمات اسلامی پر عمل

پہلے دونوں کام اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ جو کچھ سیکھا جائے اس پر عمل بھی کیا جائے۔ اسلام محض ایک دانشورانہ فضا قائم کرنے کے لئے نہیں ہے جس میں محض علمی مجالس کا انعقاد ہو اور فکری اعتبار سے دور دور کی کوڑی لائی جائے۔ بلاشبہ اس عمل کی افادیت سے بھی انکار ممکن نہیں لیکن ان کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ اس وقت ہمارے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد کا معاملہ کچھ ایسے ہی ہے کہ وہ دین کا فہم رکھنے کے باوجود عمل سے گریزاں ہیں۔

اختلافات کا خاتمہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ جب تعلیمات اسلامی کا علم حاصل کرنے کے بعد اسے عمل کی کسوٹی پر بھی پرکھا جائے۔ بالخصوص انسانوں کے باہمی مراسم و تعلقات میں تو تعلیمات اسلامی کا گہرا عمل دخل ہوتا ہے۔ عمل کے بغیر کسی مفید نتیجہ کی کوئی بھی توقع محال ہے۔

کیا تمام اختلافات کا خاتمہ ممکن ہے؟

آغاز میں اختلافات کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کر کے ان کی مزید ذیلی قسموں کو بیان کیا گیا تھا۔ اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو پہلی قسم، جسے ہم نے اختلافات کے منطقی اسباب کے نام سے موسوم کیا تھا، فطری اور ناگزیر ہے۔ اختلافات کی اس قسم کا نہ صرف خاتمہ ممکن نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی معاشرے کی ضرورت ہے۔ اسی کے باعث معاشرے کا ارتقاء ہوتا ہے، یہی وہ قسم ہے جس کے ذریعے سے انسانی سوچ کو نت نئی راہیں ملتی ہیں۔ فکر میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ معاشرتی اور سماجی اداروں کا وجود عمل میں آتا ہے اور اسی کی مدد سے انسانی تہذیب صراط مستقیم کی صورت میں آگے کی طرف رواں دواں رہتی ہے۔

اختلافات کے منطقی اسباب اسلامی معاشرے کی ضرورت ہیں۔ اس لئے ان کے اندر رہتے ہوئے ہی اتحاد امت کا خواب دیکھا جا سکتا ہے۔

اختلافات کی دوسری اقسام کو ہم نے غیر منطقی اسباب کے تحت جمع کیا تھا۔ یہی وہ اقسام ہیں جو اسلامی ریاست، مکمل اسلامی معاشرے اور اتحاد ملت کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

یہ وہ اقسام ہیں جن کے باعث تعلیم یافتہ طبقہ، اسلامی تعلیمات کے بارے میں طرح طرح کے ابہام کا شکار ہے۔ سادہ قسم کے راسخ العقیدہ مسلمان پریشان ہیں۔ اسلامی معاشرے میں مسلمانوں جیسے ناموں والے اصحاب جو اسلام کے مخالفین ہیں، انہی اقسام کا سہارا لے کر اسلام کے دوسرے متفق علیہ پہلوؤں کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود امت کے اندر صالح عنصر بھی کوشاں ہے کہ غیر منطقی اسباب کو ختم کر کے امت کا اتحاد قائم کیا جائے۔ یہ کام نہ تو چند افراد کا ہے اور نہ چند سالوں میں ممکن ہے۔ اس سلسلے میں مسلسل کوشش کرنے کے نتیجے ہی میں بہتری ممکن ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے ساٹھ ستر کی دہائی کا مشاہدہ کیا ہے، اچھی طرح جانتے ہیں کہ گزشتہ پندرہ بیس سال کی مدت میں مذہبی فرقہ وارانہ کشیدگی بہت کم ہو چکی ہے۔ خطبہ جمعہ کے موضوعات بڑی حد تک بدل چکے ہیں۔ ایک دوسرے کو نہ سننے کا رجحان بھی تبدیل ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود یہ اطمینان بخش نہیں بلکہ ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ پڑھنے کے خواہش مند اصحاب شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب کا اردو ترجمہ "اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ" پڑھ سکتے ہیں۔ یہ ترجمہ جناب صدرالدین اصلاحی نے کیا ہے اور لاہور سے

چھپا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اختلافی مسائل پیش آنے کی صورت میں بصیرت عطا فرمائے۔ آمین۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ابن عابدین: محمد امین، "ردالمحتار علی درالمختار" کوئٹہ، مکتبہ ماجدیہ، ۱۴۰۴ھ، ج ۵، ص ۱۹۳۔

۲۔ ابن عابدین: حوالہ ایضاً"

۳۔ البخاری: محمد بن اسماعیل "الجامع الصحیح" ابواب صلوۃ الخوف

۴۔ ابن کثیر: عمادالدین "تاریخ ابن کثیر" (اردو) مترجم مولانا اخترفتح پوری، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ج ۶، ص ۱۱۵۳۔

۵۔ النسائی: احمد بن شعیب، "السنن" کتاب الزکوۃ

۶۔ الترمذی: محمد بن عیسیٰ "الجامع" ابواب الجنائز، باب زیارۃ القبور

۷۔ الشافعی: محمد بن ادریس "الرسالۃ" بیروت، دارالکتب العلمیہ، ص ۴۸

مصادر و مراجع

۱۔ ابن عابدین: محمد امین (۱۲۵۲ھ) "ردالمحتار علی دارلمختار" کوئٹہ، مکتبہ ماجدیہ، ۱۴۰۴ھ۔

۲۔ ابن کثیر: عمادالدین (۷۷۴ھ) "تاریخ ابن کثیر" (اردو، مترجم مولانا اخترفتح پوری) کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۹ء

۳۔ البخاری: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (۲۵۶ھ) "الجامع الصحیح" استنبول، دارالطباعہ العامرۃ

۴۔ الترمذی: محمد بن عیسیٰ بن سورہ (۲۷۹ھ) "الجامع" استنبول، دارالدعوۃ، ۱۴۰۱ھ۔

۵۔ الشافعی: محمد بن ادریس (۲۰۴ھ) "الرسالۃ" بیروت، دارالکتب العلمیہ

۶۔ النسائی: احمد بن شعیب، (۳۰۳ھ) "السنن" استنبول، دارالدعوۃ، ۱۴۰۲ھ

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

	ابتدائی کورس
۱۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ اوّل۔قرآن
۲۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ دوم۔سنت
۳۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ سوم۔اجماع
۴۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ چہارم۔قیاس
۵۔	اجتہاد کی تعریف
۶۔	اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار
۷۔	دینی مسائل میں اختلافات، اسباب اور ان کا حل
۸۔	اسلام کا قانون نکاح وطلاق
۹۔	اسلام کا قانون وراثت ووصیت
۱۰۔	اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ
۱۱۔	اسلام کا تصور ملکیت ومال
۱۲۔	اسلام کا تصور معاہدہ
۱۳۔	اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور
۱۴۔	مزارعت اور مساقات
۱۵۔	اسلام کا نظام محاصل
۱۶۔	اسلام کا نظام مصارف
۱۷۔	اسلام میں عدل وقضاء کا تصور
۱۸۔	اسلام کا نظام احتساب
۱۹۔	اسلامی نظام عدل وقضاء میں شہادت کا تصور
۲۰۔	اسلام کا تصور جرم وسزا
۲۱۔	اسلام کا فوجداری قانون
۲۲۔	اسلام کا دستوری قانون
۲۳۔	اسلام کا قانون بین الممالک
۲۴۔	اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری

	اختصاصی مطالعہ: اصول فقہ کورس
۱۔	علم اصولِ فقہ: ایک تعارف (حصہ اوّل)
۲۔	علم اصولِ فقہ: ایک تعارف (حصہ دوم)
۳۔	قرآن
۴۔	سنت
۵۔	سنت کی حجیت کا جائزہ
۶۔	اجماع
۷۔	قیاس
۸۔	شرائع سابقہ۔اقوالِ صحابہؓ۔استصلاح
۹۔	استحسان۔استصحاب۔استدلال
۱۰۔	عُرف اور سدّ ذرائع
۱۱۔	حکمِ شرعی۔۱ (حکمِ تکلیفی)
۱۲۔	حکمِ شرعی۔۲ (حکمِ وضعی)
۱۳۔	خاص
۱۴۔	عام۔مشترک۔حقیقت ومجاز۔صریح وکنایہ
۱۵۔	دلالات
۱۶۔	اسلام کا نظریۂ اجتہاد
۱۷۔	مناہج واسالیبِ اجتہاد
۱۸۔	تقنین (اسلامی احکام کی ضابطہ بندی)
۱۹۔	پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل
۲۰۔	فقہ حنفی وفقہ مالکی
۲۱۔	فقہ شافعی وفقہ حنبلی
۲۲۔	فقہ جعفری وفقہ ظاہری
۲۳۔	قواعد کلّیہ (حصہ اوّل)
۲۴۔	قواعد کلّیہ (حصہ دوم)